

جاتا ہے اور اس کے مقتضیات پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ یہ ضابطہ صرف روایت حدیث ہی سے مختص نہیں بلکہ یہ انسانی فطرت کا ایک عمومی تقاضا بھی ہے۔ عامۃ الناس اپنے باہمی نزاعات کے تصفیہ میں دین کے روزانہ کے معاملات میں اور زندگی کے عام کاروبار و مشاغل میں طبعاً اسی اصول پر چلتے ہیں۔ اگر زندگی کے عام معاملات و مسائل کی استواری شکوک و شبہات سے مبرا اور یقینی دلائل کے ساتھ مشروط کر دی جائے اور کوئی کام یا کوئی کلام اُس وقت تک صحیح تسلیم کیا جائے جب تک اُس کی صحت کے لیے ناقابلِ اشتباہ اور قطعی ثبوت فراہم نہ ہو تو اس طرح انسانی زندگی کی گاڑی کا ایک دن کے لیے بھی چلنا محال ہو جائے گا، تمام کاروبار ٹھپ ہو جائیں گے اور کسی غلط چیز کا ازالہ ہو سکے گا نہ کسی صحیح چیز کا اثبات ممکن رہے گا۔

امام ابو حنیفہؒ خبر واحد کو | امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان فقہا کی صف اول میں پائے جاتے ہیں جنہوں نے تسلیم کرتے تھے خبر واحد کو قبول کیا ہے۔ شریعت کے احکام و مسائل میں اُسے سند و حجت

تصور کیا ہے اور اپنے قیاس اور رائے پر اُسے مقدم و مرتجح ٹھہرایا ہے۔ امام موصوف کا یہ طریقہ تھا کہ انہیں اگر کوئی ایسی حدیث مل جاتی جو اُن کے قائم کردہ قیاس سے متصادم ہوتی تو بلا تامل قیاس سے دست بردار ہو جاتے اور مقتضائے حدیث پر عمل کرتے۔ ہم بھی کسی باب میں بیان کر چکے ہیں کہ امام صاحب کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ معلوم ہوا کہ غلام کا کسی محارب کافر کو امان دینا آزاد کے امان دینے کے حکم میں ہے تو انہوں نے اپنی پہلی رائے سے (جو خلیفہ ثانی کے فتوے کے خلاف پڑتی تھی) رجوع کر لیا۔ اور فتویٰ کو اپنے مسلک کا ماخذ قرار دے لیا۔ جب ایک صحابی کے فتویٰ کی اہمیت و فوقیت اُن کی نگاہ میں اس قدر تھی کہ طرین آحاد سے مروی ہونے کے باوجود وہ اُسے بے دریغ قبول کر لیتے تھے اور اس کے مقابلے میں اپنے قیاس کو ساقط کر دیتے تھے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سند آحاد سے مروی ہونے والی احادیث نبوی کو وہ کس قدر بدرجہ اولیٰ قبول کرتے ہوں گے! چنانچہ اُن کے اخذ بالحدیث اور عمل بالحدیث کے ثبوت میں بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں، مگر یہاں اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ امام ابو یوسف کی کتاب (الآثار اور امام محمد کی کتاب الآثار) اٹھا کر دیکھ لیں۔ ان دونوں کتابوں پر ایک طائرانہ نگاہ ہی سے آپ جان جائیں گے کہ امام ابو حنیفہ کس درجہ مستعدی و ردی آمادگی و خبر واحد کو تسلیم کرتے تھے، اُسے دوسرے تک روایت کرتے تھے اپنے فقہ و اجتہاد کا

ماخذ و مبنی ٹھیراتے تھے، اس کے احکام کو مسائل کی علل کا استخراج کرتے تھے، اور قیاس کی مؤزر ذریت و استواری اور مصلحت عامہ کے ہم آہنگ رہنے کی حد تک ان پر نئے مسائل کا استنباط کرتے تھے۔ ان تمام تفصیلات کو معلوم کرنے کے لیے مذکورہ الصدرد دونوں کتابوں کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ جہاں تک ان کتابوں کی صاحبین کی طرف نسبت کا تعلق ہے، اس کی صحت میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے تلامذہ کا مسلک | چونکہ امام صاحب خبر واحد کے بائیس میں اپنے موقف کو ہمیشہ شاگردوں کے سامنے واضح کرتے رہتے تھے، اس لیے آپ کے شاگردوں کا بھی وہی مسلک رہا ہے جو آپ کا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر شاگرد، ان کے مذہب کے صحیح ترجمان اور حنفی مدرسہ فکر کی حقیقی تصویر کشی کرنے والے ہیں۔ فقہ حنفی کے قواعد و ضوابط سے جو شخص بھی واقفیت اور لگاؤ رکھتا ہے وہ مذہب حنفی میں ان کے مقام کو بخوبی پہچانتا ہے۔ امام محمد نے اپنی کتاب "الاصول" میں صحیح آثار و اقوال سے شرح و بسط کے ساتھ ایسے دلائل پیش کیے ہیں جن سے خبر واحد کی حجیت کا اثبات ہوتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے احادیث رسول اور آثار صحابہ سے بے شمار واقعات نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ خود صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ وہ خبر واحد کو تسلیم کرتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے اس فعل (قبول روایت اور اسے معمول بہ بنانے) کی تغلیط کرنے کے بجائے اُسے برقرار رکھتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد بھی صحابہ کا یہی شیوہ رہا۔ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس نے منفرد راوی کی روایت کو تسلیم کرنے میں چون و چرا کی ہو۔ اتنی بات ضرور تھی کہ بعض صحابہ کبھی کبھی احتیاط کے پیش نظر ایک راوی کی دو سے شخص سے تصدیق و توثیق کروا لیتے تھے، یا اصل راوی سے حلف لے کر اپنا وثوق اور اعتماد حاصل کر لیتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انہیں قبول روایت میں پس و پیش تھا یا اس میں شک و شبہ ہوتا تھا بلکہ ان کا یہ طریقہ محض اطمینان اور احتیاط کے پہلو سے تھا۔ امام محمد رحمہ اللہ نے "الاصول" میں استحسان کے باب میں ایسے تمام واقعات کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔

خبر واحد کے بارے میں ذیل میں ہم آپ کے سامنے "الاصل" کے بعض اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ جو صحابہ کا طرز عمل حد تک اعتماد اور تمسک کیا جاتا ہے۔

۱۔ امام محمد نے دادی کی توریش کے بارے میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے شہادت دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو سز (چھٹے حصہ) کا حق دار بنایا ہے۔ خلیفہ اول نے پوچھا کہ کوئی اور بھی اس کا شاہد ہے؟ چنانچہ محمد بن مسلمہ نے بھی اس کی تائید کی۔ تب حضرت ابو بکر نے اسے نافذ کر دیا۔ یہ خالص دین کا معاملہ تھا۔ حضرت ابو بکر نے اس میں خبر واحد کی بنیاد پر اپنا فیصلہ صادر کیا ہے۔ دوسرے راوی کو بطور شاہد طلب کرنا صرف مزید توثیق و تائید کے لیے تھا۔

۲۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ابو موسیٰ اشعری نے حدیث

لے پوری روایت پڑھی ہے کہ ایک بار ایک ستوتی کی دادی ابو بکر الصدیق کے پاس آئی کہ اسے بھی درشہ میں سے کچھ ملنا چاہیے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کتاب اللہ میں تیرا حصہ مقرر نہیں کیا گیا اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حصے کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہے یا نہیں؟ پھر حضرت ابو بکر نے دو سکر لوگوں سے پوچھا کہ: کیا تم میں سے کسی نے رسول خدا کو دادی کے حق وراثت کے بارے میں کچھ فرماتے سنا ہے؟ مغیرہ بن شعبہ نے کہا: "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو وراثت کے ترکہ میں سے چھٹے حصہ کا حق دار بنایا ہے۔ حضرت ابو بکر نے دریافت کیا کہ کوئی اور بھی اس کا شاہد ہے؟" محمد بن مسلمہ نے بھی یہی شہادت دی۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے اس عورت کو پوتے کے مال میں سے چھٹا حصہ دے دیا۔ ۵۲ حریری نے نضرہ سے اور انہوں نے حضرت ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے باہر انیس تین بار ابلانے کے لیے سلام کہا، لیکن جب آپ نے کچھ جواب نہ دیا تو واپس لوٹ آئے۔ حضرت عمر نے آدمی بھیج کر ابو موسیٰ کو بلوایا اور لوٹ جانے کی وجہ پوچھی۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: "اذا استأذن احدکم فلم یؤذن له فلیرجع"۔ حضرت عمر نے کہا: اس پر کوئی اور گواہ پیش کرو، ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ ابو موسیٰ "گھبراہٹ کے عالم میں ہمارے پاس گئے

بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب تم میں سے کوئی دروازے پر تین آوازیں دے اور اس کے باوجود اسے اجازت نہ ملے تو واپس چلا آئے۔" حضرت عمرؓ نے سن کر فرمایا: اس پر کوئی گواہ لاؤ! چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت کی توثیق کی۔

امام محمد ان دونوں روایتوں کی نسبت حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے طلب شہادت کی توثیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخین کا دوسرا وی کو شہادت کے لیے طلب کرنا محض مثبت اور احتیاط کی خاطر تھا ورنہ ان کے لیے ایک راوی کا بیان ہی کافی تھا۔

۳۔ امور دین میں خبر واحد کو قبول کرنے کے ثبوت میں امام محمد نے حضرت عمرؓ کے ایک اور عمل سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عورت کو اپنے شوہر کی دیت میں وارث نہیں سمجھتے تھے لیکن جب ان کو ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ نے یہ خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (ضحاک) کو لکھا تھا کہ "اشیم الضبالی کی بیوی اس کی دیت میں وارث ہے۔" تو حضرت عمرؓ نے ضحاکؓ کی روایت کو قبول کر لیا اور اپنی سابقہ رائے سے رجوع کر لیا۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمل سے بھی مثال ملتی ہے۔ آپؐ نے جبہ کلبی کے ہاتھ قیصر روم کو خط بھیجا جس میں آپؐ نے قیصر روم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ امام محمدؒ لکھتے ہیں کہ یہ خط قیصر روم پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اتمام حجت کی حیثیت رکھتا تھا۔ (حالانکہ اسے لے کر جانے والا (جبہ کلبی) فرودواحد تھا)۔ اسی ضمن میں امام محمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے جس میں حضرت علیؓ اکرم اللہ وجہہ قبول حدیث کے بارے میں اپنے طرز عمل کو بیان کرتے ہیں کہ: جب میں کسی حدیث کو براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنتا تھا بلکہ کوئی دوسرا شخص میرے سامنے آپؐ کی حدیث بیان کرتا تو میں اس سے حلف لیتا تھا۔ حضرت ابو بکر نے مجھ سے حدیث بیان کی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان کے چہرے کا رنگ متغیر تھا۔ ہم نے پوچھا: کیا معاملہ درپیش ہے؟ انہوں نے پہلا واقعہ بتایا۔ اور کہا کہ تم میں سے کسی نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا ہے؟ ہم نے کہا ہم میں سے ہر ایک نے سنا ہے پھر ایک صحابی ان کے ساتھ گئے اور حضرت عمرؓ کو اس حدیث کی خبر دی۔ (مسلم)

انہوں نے جو کچھ فرمایا ٹھیک فرمایا۔ (اُن سے حلف لینے کی ضرورت نہیں)۔ امام محمد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد مسئلہ یمن کی تشریح کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ حلف لینے کے معاملے میں دوسرے تمام صحابہ سے منفرد تھے۔ حضرت علیؑ کی عام عادت تھی کہ گواہ سے بھی حلف لیتے۔ مدعی سے بھی ثبوت کے ساتھ حلف لیتے۔ اپنی اسی عادت کی بنا پر حدیث بیان کرنے والے سے بھی حلف مانگا کرتے تھے۔ آپ کے اس مسلک سے یہ نتیجہ ماخوذ ہوتا ہے کہ گویا آپ اس امر کے قائل تھے کہ راوی جب کسی حدیث کو روایت کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنا حلفیہ بیان بھی دے دیتا ہے تو اس کی روایت مزگی (کذب و غلطی کی آلائش سے پاک) ہو جاتی ہے۔ اس کی صورت بعینہ وہی ہوتی ہے جو لعان کے مسئلے میں فریقین (عورت اور شوہر) کی طرف سے شہادتیں ادا کرنے کی ہوتی ہے جو مخیر معصوم من الکذب نہیں ہے (اور انبیاء کے علاوہ کوئی انسان کذب سے معصوم نہیں ہے) انفرادی حیثیت میں اس کی خبر اُس وقت تک حجیت کے مقام پر نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ وہ حلف کے ذریعہ روایت کو تہمت کذب کے مشائبہ سے نہیں دھو دیتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اس شرط کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ وہ قسم دینے کے مستثنیٰ ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کی بارگاہ اقدس سے حضرت ابوبکر کا (الصّدیق) کے لقب سے نوازا جانا اس امر کے لیے کافی ہے کہ اُن کی روایت و خبر مزگی اور آلائش کذب کے احتمال سے پاک ہے۔

اس قبیل کے اقوال و آثار کا مستندہ ذخیرہ امام محمد نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں نقل کیا ہے جس میں سے چند آثار بطور نمونہ ہم نے آپ کے سامنے بیان کر دیے ہیں۔ امام محمد نے ان دلائل و شواہد سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ خبر واحد امور دین میں مقبول و مسلم ہے۔ روایت ہلال کے سلسلے میں شخص واحد کی خبر پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ کسی شے کے بارے میں تحلیل و تحریم کا فیصلہ منفرد شخص کی اطلاع کے بموجب کیا جاسکتا ہے چنانچہ فقہ حنفی میں یہ امور مسلمات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام صاحب کی طرف سے اسی فقہی نظریے کا شاگردوں کو اطلاق کرنا منقول ہے۔ اور اس پر امام صاحب کے اصحاب اور تلامذہ کی موافقت و ہم آہنگی کی شہادت بھی موجود ہے۔ اب غور کیجیے کہ جب امام صاحب کے مسلک میں تحلیل و تحریم جیسے دین کے اہم مسائل میں عام انسانوں کی منفرد خبر اور روایت کو درجہ قبولیت حاصل ہے تو یہ بات عقل و فہم سے بالاتر ہے

کہ وہ اپنے استنباط و اجتہاد کے مقابلہ میں خبر واحد کو غیر مقبول اور ناقابل تسلیم گردانتے ہوں گے (اور اُسے مسترد کر کے اپنے قیاسی مسائل پر جمے رہتے ہوں گے) خصوصاً جب کہ اُس کی سند بھی ایک ہی واسطے پر نہیں بلکہ متعدد واسطوں پر مشتمل ہو۔ !!

فقہ حنفی کے فتوے اور کلیات سے صاف مستنبط ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے احادیثِ آحاد کو بھی شرعی مآخذ کی فہرست میں رکھا ہے۔ اور اپنے فقہی قیاسات اور اجتہادی قواعد و ضوابط کی تدوین میں اُن پر استناد کیا ہے۔ اس سلسلے میں جمہورِ فقہاء اور محدثین کی طرح حنفیہ کے ہاں بھی روایت و قبولیتِ حدیث کے شرائط معین ہیں۔ چنانچہ خود امام صاحب اور ان کے اصحاب اور بعد کے فقہائے حنفیہ نے راوی کے لیے عدالت اور ضبط (حفظ) کو شرطِ لازم قرار دیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حفظ کے مفہوم کی تعبیر اور تشریح میں حنفیہ دوسروں کی نسبت زیادہ تشدد کا پہلو اختیار کرتے ہیں۔ امام فخر الاسلام بزدوی نے کشف الاسرار میں مسلکِ حنفی کے مطابق ضبط کی تشریح یہ کی ہے :-

مسلکِ حنفی کے مطابق ضبط کی تعریف

ضبط کی تعریف یہ ہے کہ راوی حدیث کو اپنے کانوں سے۔ پورے انہماک کے ساتھ۔ سنے، اُس کی مراد و منشا کو سمجھے، محنت اور کوشش سے اُسے یاد رکھے اور پھر روایت کرنے کے وقت تک تمام عرصہ میں اپنے حفظ اور یادداشت کے بائے میں خوش فہمی کا شکار ہوئے بغیر بار بار اہل علم سے مذاکرہ کرتا ہے۔ ضبط کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) متنِ حدیث کے الفاظ و کلمات کو اور اس کے لغوی معنی کو محفوظ رکھنا۔ (۲) اس کے ساتھ ساتھ حدیث کے شرعی اور فقہی منشا ... کو یاد رکھنا۔ (یعنی یہ شعور رکھنا کہ قانونی احکام اور فقہی مسائل حدیث سے کیسے مستنبط کیے جاسکتے ہیں اور حدیث کا موقع و محل کیا تھا) ضبط کی دوسری قسم پہلی سے زیادہ جامع اور اکمل ہے۔ مطلق اور عام ضبط کا اطلاق پہلی قسم پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس راوی پر پیدائشی طور پر ذہول کا غلبہ ہو یا روایت کے بیان کرنے میں بے احتیاطی اور بیخبرگی کا عادی ہو، اس کی روایت قابلِ حجت نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ اس کے اندر ضبط کی دو شرطیں مفقود ہیں جو قسم اول میں بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح فقہی راوی کی روایت جب غیر فقہی راوی سے متعارض ہو جائے گی.....

..... تو اول الذکر کی روایت کو مؤخر الذکر کی روایت پر ترجیح دی جائے گی۔ (اس بنا پر کہ اول الذکر راوی میں ضبط کی زیادہ کامل اور جامع شرائط موجود ہیں) اسے

اصول بزور ہی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ ضبط کی تعریفاً و تشریح میں تشدد اور غلو کی طرف مائل ہیں اور ان کے نزدیک ضبط کا مفہوم اس وقت کامل جامع ہوتا ہے جب کہ راوی میں تفقہ کی صفت بھی پائی جاتی ہو۔ لیکن یہ بھی اصح ہے کہ وہ راوی کے تفقہ کو ترجیح روایت کی اساس تو قرار دیتے ہیں مگر اسے قبول روایت کی شرط نہیں ٹھہراتے۔ مثلاً جب (سند کے اعتبار سے ہم پلہ حدیثیں) باہم متعارض ہوں ان میں سے ایک کا راوی فقیہ ہو۔ اور دوسری غیر فقیہ راوی سے پہونچ رہی ہو تو احادیث کے نزدیک (ضبط کامل کی شرائط سے متصف) پہلے شخص کی روایت مقدم و مرجح اور واجب العمل ہوگی۔ تفقہ کو اساس ترجیح شمار کرنے کا سبب یہ ہے کہ جو راوی سرمایہ تفقہ سے بہرہ ور ہوتا ہے وہ ضبط حدیث میں از تحقیق و تجسس میں دوسروں سے فائق ہوتا ہے اور دین کے فہم ز تدبیر میں بھی وہ دوسروں پر سبقت لے جاتا ہے۔ ترجیح فقیہ کے باب میں امام صاحب کی تصریح [راوی کے تفقہ کی بنیاد پر روایت کو ترجیح دینے کی تصریح خود امام ابوحنیفہ کی اپنی زبان سے منقول ہے، جو کہ امام صاحب نے امام اوزاعی رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی ایک مناظرانہ گفتگو میں کی ہے۔ اس مناظرے کی پوری روداد کو حضرت سفیان بن عیینہ نے روایت کیا ہے کہ ایک بار امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کی دارالنجیاطین، مکہ میں ملاقات ہوئی۔ اثنائے گفتگو امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا:

”تم (اہل عراق) رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟“

امام ابوحنیفہ نے جواب دیا:

”کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے کہ آپ تکبیر اولیٰ کے علاوہ رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت بھی رفع یدین کیا کرتے تھے؟“

اوزاعی نے کہا:

کیوں کہ ثابت نہیں ہے۔ مجھ سے زہری نے، زہری سے سالم نے اور سالم نے اپنے باپ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے

اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین فرماتے۔“

امام ابوحنیفہ نے جواب دیا:

ہم سے حماد نے، حماد سے ابراہیم نے، ابراہیم سے علقمہ اور اسود نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز شروع فرمانے کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اس کے بعد رکوع وغیرہ میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعی نے کہا:

میں آپ کے سامنے زہری، سالم اور عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے روایت بیان کر رہا ہوں اور آپ اس کے مقابلے میں حماد اور ابراہیم کا نام لیتے ہیں۔“

امام ابوحنیفہ نے کہا:

”حماد زہری سے زیادہ اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ کو اگرچہ صحبت رسول کا شرف حاصل ہے تاہم علقمہ ان سے کم نہیں ہیں۔ اسود کو بھی بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں۔“

ایک دوسری روایت میں آخر کے الفاظ یوں ہیں کہ ”ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحبت رسول کی فضیلت کا سوال نہ ہوتا (جو عبداللہ بن عمرؓ کو حاصل ہے) تو میں کہتا کہ علقمہ کا درجہ نقاہت عبداللہ بن عمرؓ سے اونچا ہے رہے عبداللہ بن مسعود تو وہ عبداللہ بن مسعود ہی ہیں۔ یعنی ان کے مرتبہ تک مذکورہ اصحاب میں سے کسی کی رسائی نہیں۔“

اس مناظرے سے یہ امر صاف واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دیتے وقت راوی کے تفقہ اور اجتہاد کی معیار کو ملحوظ رکھتے تھے اور درجہ کم فقیہ کی روایت ترک کر کے زیادہ فقیہ کی روایت کو اختیار کرتے تھے۔ اس ترجیح کی وجہ ظاہر ہے کہ جو راوی تفقہ میں جس قدر زیادہ بہرہ رکھتا ہو گا وہ اسی قدر یادداشت اور ضبط میں زیادہ پختہ اور فہم و ادراک رکھتا ہو گا۔

۱۷ حجة البالغة از امام شاہ دلی اشرفی جلد اول ص ۳۳

زیادہ کامل ہوگا۔

دوسری بات جو امام اوزاعی اور امام ابو حنیفہ کی گفتگو سے متبادر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر فقیہ انہی محدثین کی حمایت کرتا تھا جن کا شاگرد ہوتا تھا اور جن سے روایت کرتا تھا۔ یہ چیز علاقائی عصبیت کی پیداوار تھی۔ یاد دہانی کے لیے لفظوں میں ایسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہر علاقے کے علماء انہی احادیث کو لیتے تھے جن کے رُواۃ اُس علاقے کے صحابہ کے شاگرد ہوتے تھے۔

امام صاحب کے نکتہ چینیوں کو شمس اللامہ سرخسی نے امام ابو حنیفہ کے قلتِ روایت کی یہ توجیہ کی ہے کہ امام صاحب ایک تو راوی کے ضبط و

حفظ کی شرط میں انتہائی سختی کرتے تھے اور اس بنا پر بہت کم روایات اُن کے معیار پر اُترتی تھیں۔ اور دوسرے وہ تقلیلِ روایت میں سلف کے نقشِ قدم پر چلتے تھے کیونکہ ان کی اکثریت بھی قلیلِ روایت ہی تھی۔ شمس اللامہ لکھتے ہیں کہ: ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بہت کم احادیث مروی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض نکتہ چینیوں کو یہ کہنے کی جرأت ہوئی کہ امام صاحب حدیث سے نا آشنا تھے۔

ان لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ امام صاحب اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالمِ حدیث تھے۔ چونکہ وہ راوی میں کمالِ ضبط کی شرط کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے تھے اس لیے اُن کی طرف سے بہت کم احادیث منقول ہیں۔ ”ہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام صاحب خبرِ آحاد کو قبول کرتے تھے، بلکہ اُس کے قبول کرنے میں انہیں کسی طرح کا تردد نہ ہوتا، البتہ راوی کے ضبط میں قسّرد تھے۔ جیسا کہ خود فقہائے حنفیہ کا بھی خیال ہے۔ اور جب مختلف روایات میں تعارض ہو جاتا تو رُواۃ کے تفقہ اور اجتہادی صلاحیت کو دیکھتے۔ جو راوی محض روایت گو ہوتا اس پر فقیہ راوی کو ترجیح دیتے۔ اور اگر وہ نول راوی فقیہانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوتے تو اُن میں سے جو نسبتاً زیادہ فقیہ ہوتا اُس کی روایت کو مقدم گردانتے۔

(باقی)